۱ جس کا کام اُسی کو ساجے

سخت گرمی تھی، دھوپ میں شدّت تھی اور ہر طرف آسمان سے آگ برس رہی تھی۔ ایک بڑے جنگل کے کنارے ایک بہت بڑا پیپل کا درخت کھڑا تھا، جس کی گھنی چھاؤں میں ایک بڑھئی لکڑی کے بڑے بڑے لٹھ چیرنے میں مصروف تھا۔ وہ اپنے کام میں اس قدر مشغول ہوتا تھا کہ اس نے سوائے درخت کی چھاؤں کے کسی اور طرف کبھی دھیان نہیں دیا تھا۔

پیپل کے اوپر ایک بندر بھی رہا کرتا تھا جو بڑی توجّہ سے بڑھئی کو لکڑی چیرتے دیکھا کرتا تھا۔ اسے بڑھئی کا کام اتنا پسند آیا کہ وہ چاہتا تھا کہ وہ بڑھئی بن جائے اور وہ بھی لٹھ پر بیٹھ کر اسی طرح لکڑی چیرے جس طرح بڑھئی کام کرتا ہے۔ بڑھئی کا یہ طریقہ تھا کہ وہ لکڑی چیرتے وقت لکڑی کی درز میں ایک پچر ٹھونک لیا کرتا تھا تاکہ لکڑی چیرنے میں آسانی رہے۔ بندر یہ سارا کام دیکھتا اور موقع کی تلاش میں رہنے لگا۔

ایک دن کا ذکر ہے کہ بڑھئی کسی ضرورت کے تحت لٹھ سے اٹھ گیا۔ اس نے آری اور پچر دونوں اپنی جگہ چھوڑیں اور کچھ دیر کے لیے دُور چلا گیا۔ بندر نقّال تو ہوتا ہی ہے۔ جب اس نے دیکھا کہ بڑھئی موقع محل سے اٹھ کر کہیں چلا گیا ہے اور میدان خالی ہے تو وہ درخت سے اترا اور جھٹ لٹھ پر آ بیٹھا۔ اس نے ایک لمحے کے لیے اِدھر اُدھر دیکھا اور پھر جھانک کر لکڑی کی پچر کے ساتھ کھیلنے لگا۔ وہ دیر تک زور لگاتا اور پچر کو ہلاتا رہا۔ آخر کار پچر درز سے نکل آئی اور درز بند ہوگئی لیکن اسی لمحے بندر کا ہاتھ بھی درز میں بری طرح پھنس گیا۔ بندر بہتیرا چیخا چلّایا مگر اس کا ہاتھ اس بُری طرح پھنسا تھا کہ اس کا نکلنا محال تھا۔ بندر درد کی شدت سے بے ہوش ہوگیا۔

بڑھئی نے بندر کی چیخیں سنیں تو وہ بھاگا بھاگا موقع پر پہنچا۔ کیا دیکھتا ہے کہ پچر تو باہر نکلی پڑی ہے اور اس کی جگہ بندر کا ہاتھ درز میں پھنسا ہے اور بندر بے حس و حرکت پڑا ہے۔ بڑھئی نے جلدی سے پچر اٹھائی اور لکڑی کی درز میں ٹھونک دی۔ درز کھلی تو بندر کا ہاتھ درز سے آزاد ہوگیا مگر یہ کیا، بندر تو مر چکا تھا۔ بڑھئی کو بندر کے اس طرح مرنے کا بڑا دکھ ہوا۔ وہ بڑبڑانے لگا:

''بے وقوف تو بندر تھا۔ بڑھئی بننے کی آرزو میں جان سے ہاتھ دھو بیٹھا۔'' کسی نے سچ ہی کہا ہے:

جس کا کام اُسی کو ساجے
دُوجا کرے تو ٹھینگا باجے

۲ سچ کی برکت

رات کا پچھلا پہر تھا۔ دن بھر کا تھکا ہارا قافلہ پڑا سو رہا تھا کہ یکا یک شور اٹھا: ''ڈاکو آ گئے، ڈاکو آ گئے۔'' سوئے ہوئے ہڑبڑا کر اٹھے اور اپنے اپنے سامان کو سنبھالنے لگے۔ ڈاکوؤں نے لوٹ مچا رکھی تھی۔ ایک ایک کی تلاشی لے رہے تھے۔ لوگوں کی جیبیں ٹٹول رہے تھے۔ جو کچھ پاتے تھے، چھین جھپٹ لیتے تھے۔ لٹنے والے آہ و فغاں کر رہے تھے مگر بے رحم ڈاکوؤں پر اس کا کچھ اثر نہیں ہو رہا تھا۔ اس قافلے میں ایک نوعمر لڑکا بھی شامل تھا، جو کھڑا یہ سب کچھ دیکھ رہا تھا اور مطلق پریشان نظر نہیں آتا تھا۔ ایک ڈاکو اس کے پاس آیا اور پوچھنے لگا: ''لڑکے! تمھارے پاس کیا ہے؟''

''چالیس اشرفیاں۔'' لڑکے نے جواب دیا۔

ڈاکو مذاق سمجھ کر آگے بڑھ گیا۔ دوسرا ڈاکو آیا تو لڑکے نے اسے بھی یہی جواب دیا۔ اسی طرح یکے بعد دیگرے تین ڈاکوؤں نے لڑکے سے یہی جواب پایا۔ ڈاکوؤں کے سردار تک بھی یہ بات پہنچی۔ اس نے لڑکے کو پکڑ منگوایا اور پوچھا: ''لڑکے! تیرے پاس کیا ہے؟''

لڑکے نے بڑے اطمینان سے جواب دیا: ''چالیس اشرفیاں''

سردار نے پوچھا: ''کہاں ہیں چالیس اشرفیاں؟''

''میرے کرتے کی تہ میں سلی ہوئی ہیں۔'' لڑکا بولا۔

کرتے کی تہ کھولی گئی تو سچ مچ چالیس اشرفیاں نکل آئیں۔ سردار نے حیرت سے کہا:

''لڑکے! تو نے اتنی بڑی رقم چھپا کیوں نہ لی؟''

''میری ماں نے مجھے نصیحت کی تھی کہ بیٹا! ہمیشہ سچ بولنا۔ میں جھوٹ بول کر گنہگار کیوں بنتا؟''

لڑکے نے جواب دیا۔

سردار نے لڑکے کا جواب سنا تو سوچ میں پڑ گیا کہ یہ نوعمر لڑکا اپنی ماں کی نصیحت کا اتنا پابند ہے اور میں ایک مدّت سے اپنے اللہ کے حکم کے خلاف عمل کر رہا ہوں۔ اللہ کے حضور میرا کیا حال ہوگا؟

سردار نے اپنے ساتھیوں کو حکم دیا کہ سارا مال قافلے کے لوگوں کو واپس کر دو اور خود لڑکے کے پاؤں میں گر پڑا۔ توبہ کی اور رہزنی کا پیشہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ترک کر دیا۔

یہ لڑکا کون تھا؟ یہ تھے حضرت عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ جو بغداد میں تعلیم حاصل کرنے کے بعد قافلے کے ساتھ سفر کر رہے تھے۔ ان کے سچ کی برکت سے پیشہ ور ڈاکو توبہ کر کے نیک بن گئے۔

نتیجہ: سچ میں برکت ہے۔

۳ جھوٹ کی سزا

اگلے وقتوں کی بات ہے کہ ایک نوجوان گڈریا کسی دریا کے کنارے اپنی بھیڑیں چرایا کرتا تھا۔ اسے جھوٹ بولنے کی بُری عادت تھی، چنانچہ وہ کبھی کبھی مستی میں آ کر چلّاتا: ''شیر آیا، شیر آیا۔''

اردگرد کے کھیتوں میں کام کرنے والے لوگ اس کی آواز سنتے تو لاٹھیاں کلہاڑیاں لے کر اس کی جانب دوڑ پڑتے مگر جب گڈریے کے پاس پہنچتے تو وہاں کوئی شیر نہ پا کر گڈریے سے کہتے: ''میاں! کہاں ہے شیر؟''

اُن کے اس سوال پر گڈریا ہنس دیتا اور کہتا: ''میں نے تو صرف مذاق کیا تھا۔ شیر کے لیے تو میں خود ہی کافی ہوں۔ شیر آئے گا تو میں اکیلا ہی اسے مار بھگاؤں گا۔''

چند بار تو لوگ گڈریے کی پکار سن کر اس کے پاس پہنچ جاتے رہے مگر گڈریے کی روز روز کی پکار سے تنگ آ گئے۔ اب اس کی پکار کو سب جھوٹ سمجھتے اور کوئی اس کی پکار پر توجّہ نہ دیتا۔

ایک دن خدا کا کرنا کیا ہوا کہ سچ مچ کہیں سے شیر آ نکلا۔ شیر نے بھیڑوں کا گلہ دیکھا تو خوش ہو گیا۔ بھوکا تو تھا ہی، بڑھ کر ایک بھیڑ کے پنجہ مارا۔ بھیڑ کی گردن ٹوٹ گئی اور وہ وہیں ڈھیر ہو گئی۔ گڈریے نے شور مچایا مگر کوئی اس کی مدد کو نہ آیا۔ گڈریا لاٹھی لہراتا ہوا شیر کی جانب بڑھا تو شیر نے ایک ہی جست میں گڈریے کی گردن مروڑ دی۔ بھیڑیں بھاگ رہی تھیں اور شیر اُن کا شکار کرتا تھا۔ آخر سارا گلہ شیر کا شکار بن گیا۔

سورج غروب ہو گیا۔ ہر طرف اندھیرا چھا گیا۔ گاؤں میں نہ گڈریا آیا نہ بھیڑوں کا گلہ۔ گڈریے کے رشتے داروں نے رات بہت بے چینی سے گزاری۔ صبح ہوتے ہی ڈھونڈنے کو نکل کھڑے ہوئے۔ چراگاہ میں پہنچے تو مردہ بھیڑوں اور مرے ہوئے گڈریے کے سوا وہاں کچھ نہ تھا۔ گڈریے کو جھوٹ کی سزا مل چکی تھی۔

سچ ہے: جھوٹ کا انجام بُرا ہوتا ہے۔

۴ اتّفاق میں برکت ہے

پرانے وقتوں کی بات ہے کہ کسی گاؤں میں ایک کسان رہتا تھا۔ اس کے چار بیٹے تھے مگر ان میں آپس میں اتّفاق نہ تھا اور چھوٹی چھوٹی باتوں پر لڑنا جھگڑنا اُن کا آئے دن کا معمول تھا۔ کسان نے بیٹوں کو کئی مرتبہ سمجھایا لیکن بیٹوں پر باپ کی نصیحت کا کوئی اثر نہ ہوا۔ بے چارہ کسان اپنے جوان بیٹوں کی اس ناچاقی اور نااتّفاقی سے ہمیشہ پریشان رہتا تھا۔

ایک دفعہ کسان سخت بیمار پڑ گیا۔ اسے اپنے بچنے کی کوئی امید نہ رہی۔ اس کی شدید آرزو تھی کہ اپنے جیتے جی اپنے بیٹوں کو آپس میں اتّفاق سے رہتے بستے دیکھ لے لیکن اس کے بیٹے تھے کہ آپس میں لڑتے جھگڑتے رہتے تھے اور باپ کی کسی بات پر کان نہ دھرتے تھے۔ اس پریشانی کے عالم میں کسان کو ایک ترکیب سوجھی۔ اس نے ایک روز اپنے چاروں بیٹوں کو اپنے پاس بلایا اور پتلی پتلی لکڑیوں کا ایک گٹھا بھی منگوا لیا۔ کسان نے یہ گٹھا باری باری چاروں لڑکوں کو دیا اور اسے توڑنے کو کہا۔ ہر چند چاروں بیٹے شہ زور تھے مگر طاقت ور ہونے کے باوجود کوئی بھی گٹھے کو نہ توڑ سکا۔

جب چاروں بھائی اپنی پوری کوشش کے باوجود گٹھا توڑنے میں ناکام رہے تو کسان اپنے بیٹوں سے مخاطب ہوا اور لکڑیوں کے گٹھے کو کھول کر لکڑیوں کو الگ الگ کر کے توڑنے کا کہا تو ان میں سے ہر ایک نے بڑی آسانی سے ایک ایک لکڑی کو توڑ دیا۔

یہ دیکھ کر کسان نے بیٹیوں سے کہا:

> ''دیکھو میرے بیٹو! جب تک یہ لکڑیاں ایک گٹھے کی صورت میں بندھی ہوئی تھیں، تم ہزار کوشش کے باوجود انھیں نہ توڑ سکے اور جب یہ علیحدہ علیحدہ ہو گئیں، تم نے انھیں بڑی آسانی سے توڑ لیا۔ یاد رکھو! تم بھی جب تک لکڑیوں کے اس گٹھے کی طرح آپس میں متحد اور یک جان رہو گے تو دنیا کی کوئی طاقت تمھیں نقصان نہ پہنچا سکے گی لیکن اگر تم الگ الگ ہو گئے تو ہر شخص تمھیں آسانی سے دبا لے گا۔''

بوڑھے کسان کی یہ نصیحت کام کر گئی۔ چاروں بھائیوں نے اپنے باپ سے وعدہ کیا کہ وہ آیندہ ہمیشہ اتّفاق اور محبت سے رہیں گے اور آپس میں کبھی لڑائی جھگڑا نہ کریں گے۔ یہ سن کر کسان کا دل خوش ہو گیا اور اس نے اپنے بیٹوں کو بہت دعائیں دیں۔

سچ ہے: اتّفاق میں برکت ہے۔

۵ لالچ بُری بلا ہے

ایک دفعہ کا ذکر ہے کسی گاؤں میں تین دوست رہتے تھے۔ انھوں نے بے روزگاری کے ہاتھوں تنگ آ کر نزدیکی شہر میں جانے کا سوچا تا کہ وہاں یا تو کوئی چھوٹا موٹا کاروبار کرلیں گے یا پھر کہیں ملازم ہو جائیں گے۔ وہ شہر کی جانب سفر طے کر رہے تھے کہ اتفاق سے انھیں راستے میں ایک پوٹلی پڑی ملی۔ انھوں نے جلدی جلدی پوٹلی کو کھول کر دیکھا تو ان کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں، پوٹلی میں سونے کے زیورات تھے۔ وہ سونے کے زیورات پا کر بے حد خوش ہوئے۔ وہ اس اتفاقی دولت کو آپس میں تقسیم کرنے کی باتیں کرنے لگے۔ صلاح یہ ٹھہری کہ ان میں سے ایک آدمی پہلے شہر جائے اور کھانا لے آئے کیونکہ انھیں زوروں کی بھوک لگی تھی۔ کھانا کھانے کے بعد وہ آرام سے بیٹھ کر آپس میں زیورات کو بہ حصّہ برابر تقسیم کرلیں گے۔

تینوں میں سے ایک دوست کھانا لانے کے لیے شہر کی طرف روانہ ہو گیا۔ اس کے جانے کے بعد باقی دونوں دوستوں کی نیّت خراب ہو گئی۔ انھوں نے باہم مشورہ کیا کہ اگر ہم اپنے اس ساتھی کو قتل کر دیں تو اس کا حصّہ بھی ہمیں مل جائے گا اور اس طرح ہمارے ہاتھ زیادہ دولت لگے گی۔ ادھر وہ ساتھی جو کھانا لینے شہر گیا تھا، راستے میں سوچنے لگا کہ اگر میرے دونوں ساتھی کسی طرح مر جائیں تو سارے کا سارا سونا میرے حصّے میں آجائے گا اور میں امیر ہو جاؤں گا۔ چناں چہ اس نے کھانا خریدا اور اس میں زہر ملا دیا۔ جونہی وہ اپنے ساتھیوں کے پاس پہنچا تو اس کے دونوں ساتھی اس پر پِل پڑے اور گلا گھونٹ کر اسے ہلاک کر دیا۔ پھر بے فکر ہو کر کھانا کھانے بیٹھ گئے اور خوب سیر ہو کر کھانا کھایا۔ چند ہی لمحوں بعد زہر نے اپنا اثر دکھانا شروع کیا اور دیکھتے ہی دیکھتے یہ دونوں ساتھی بھی وہیں ڈھیر ہو گئے۔

اس طرح دولت کی ہوس نے تینوں کی جان لے لی۔ بزرگوں نے سچ ہی کہا ہے: لالچ بُری بلا ہے۔

۶ دودھ میں پانی

کہتے ہیں کہ ایک گوالا تھا جو ایک پہاڑ کے دامن میں رہتا تھا۔ وہاں اس نے بہت سی گائیں پال رکھی تھیں جو دن بھر ادھر ادھر چرتی رہتی تھیں۔ گوالے کا یہ دستور تھا کہ وہ صبح سویرے اور پھر شام ہونے سے ذرا پہلے دودھ دوہتا اور پھر دودھ میں ڈھیر سارا پانی ملا دیتا اور شام کے اندھیرے میں قریبی قصبے میں پہنچتا اور دودھ بیچتا۔ اس کا دعویٰ تھا کہ دودھ خالص ہے۔ جب کہ اس کا دعویٰ سراسر غلط تھا۔ دودھ کے اکثر گاہک شکایت کرتے کہ دودھ پتلا ہے۔ لوگوں نے گوالے کو بیسیوں بار کہا کہ دودھ میں پانی نہ ملایا کرو مگر گوالا ان کی بات ایک کان سے سنتا اور دوسرے کان سے نکال دیتا۔

اسی طرح ایک عرصہ گزر گیا۔ گوالے کے پاس پانی ملا دودھ بیچ بیچ کر بہت سارا روپیا جمع ہو گیا۔ اس نے اس رقم سے مزید گائیں خرید لیں۔ اب اس کے پاس گائیوں کا ایک بڑا گلہ جمع ہو گیا۔ اب اس نے دودھ میں پہلے سے بھی زیادہ پانی ملانا شروع کر دیا۔ لوگ شکایت کرتے مگر وہ کسی شکایت پر کان نہ دھرتا۔ اس کا لالچ بڑھتا گیا۔ اب وہ اکڑا اکڑ کے چلتا تھا۔

ایک دن خدا کا کرنا کیا ہوا کہ پہاڑ کے دامن سے ایک سیاہ گھٹا اٹھی جو دیکھتے ہی دیکھتے آسمان پر چھا گئی۔ گوالا سیاہ گھٹا کو دیکھ کر بہت خوش ہوا۔ اس نے خیال کیا کہ یہ بادل خوب برسے گا اور ہر طرف ہریاول ہی ہریاول ہو جائے گا۔ اس کی گائیں خوب گھاس

کھائیں گی اور موٹی تازی ہو جائیں گی اور دودھ بھی زیادہ دیں گی۔ اس طرح اس کے وارے نیارے ہو جائیں گے۔

بادل گرجا اور برسنا شروع ہوا۔ دیکھتے ہی دیکھتے موسلا دھار بارش شروع ہو گئی جو تھمنے کا نام نہیں لے رہی تھی۔ یوں لگتا تھا جیسے آسمان پھٹ پڑا ہو اور زمین نے پانی اگلنا شروع کر دیا ہو۔ ہر طرف پانی ہی پانی ہو گیا۔ پہاڑ سے پانی کا ریلا آنا شروع ہوا اور دیکھتے ہی دیکھتے اس قدر بڑھا کہ ہر شے کو خس و خاشاک کی طرح بہا کر لے گیا۔ گوالے کی تمام گائیں اور اس کے گھر کا سارا ساز و سامان بھی تنکوں کی طرح بہ گیا۔

خدا خدا کر کے سیلاب تھما۔ گوالے کا گھر بار سب کچھ برباد ہو گیا تھا۔ اب گوالے کے پاس ایک بھی گائے نہ بچی تھی۔ گوالا ہر شخص سے کہتا پھرتا تھا: ''میں نے اپنی زندگی میں ایسا سیلاب کبھی نہ دیکھا تھا۔ نا معلوم اتنا پانی کہاں سے آ گیا۔''

ایک عقل مند نے کہا: ''یہ وہی پانی ہے جو تم دودھ میں ملایا کرتے تھے۔ خدا نے اس پانی کو سیلاب بنایا اور تمھیں بے ایمانی اور بد دیانتی کی سزا دی۔''

سچ ہے: بے ایمانی اور بد دیانتی کی سزا ضرور ملتی ہے۔

۷ ہَرنی کی دُعا

شام قریب تھی۔ سبکتگین اپنے دن بھر کے فرائض سے فارغ ہوا تو گھوڑے پر سوار ہو کر جنگل کی طرف روانہ ہوا۔ شہر سے نکلا۔ جنگل کی ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا لگی، دماغ تر و تازہ ہو گیا۔ اس نے گھوڑے کو ایڑ لگائی اور شکار کی تلاش میں جنگل میں داخل ہو گیا۔ ہر طرف گھوڑا دوڑایا مگر کوئی شکار نظر نہ آیا۔ مغرب کی طرف دیکھا تو سورج غروب ہونے کے آثار نظر آئے۔ فوراً شہر کی طرف باگ موڑ دی اور جنگل کو طے کرنے لگا۔

ناگہاں سبکتگین کی نظر ایک ہَرنی پر پڑی جو اپنے چھوٹے سے بچّے کو دودھ پلا رہی تھی۔ شکاری جب شکار دیکھ لیتا ہے تو وہ صبر کا دامن ہاتھ سے چھوڑ دیتا ہے۔ سبکتگین نے اپنے سدھائے ہوئے گھوڑے کو اشارہ کیا۔ وہ اپنے مالک کے اشارے پر اُچھلا اور آن واحد میں اس نے ہرنی کو جا لیا۔ ہَرنی نے شکاری کو دیکھا تو وہ چوکڑی بھرتی ہوئی جنگل کی طرف بھاگی مگر ہَرنی کا بچّہ وہیں رہ گیا۔ سبکتگین نے سوچا، خالی ہاتھ جانے سے تو بہتر ہے کہ اس بچّے ہی کو پکڑ لیا جائے۔ چناں چہ وہ گھوڑے سے نیچے اترا، بچّے کو پکڑا، اُس کی ٹانگیں باندھیں اور گھوڑے پر رکھ کر سوار ہو گیا۔

گھوڑا شہر کے قریب پہنچا۔ سبکتگین کو پیچھے سے ایک آہٹ سی سنائی دی۔ اس نے پیچھے مڑ کر دیکھا، ہَرنی اپنے بچّے کے لیے اس کے پیچھے پیچھے آ رہی تھی۔ ماں کی محبت دیکھ کر سبکتگین کا دل پسیجا۔ شاید اسے اپنی ماں سے بچھڑنے کا غم یاد آ گیا۔ اس نے گھوڑا روکا۔ ہَرنی کے بچّے کی ٹانگیں کھولیں اور اسے زمین پر چھوڑ دیا۔ بچّہ دوڑا اور اپنی ماں سے جا ملا۔ ماں اسے چاٹ رہی تھی، پیار کر رہی تھی اور کبھی کبھی سبکتگین کی طرف دیکھ کر منھ آسمان کی طرف اٹھاتی جیسے کچھ دعا مانگ رہی ہو۔

سبکتگین کچھ دیر تک یہ نظّارہ دیکھتا رہا مگر جب اس نے دیکھا کہ ہر طرف اندھیرا بڑھ رہا ہے اور سورج غروب ہو چکا ہے تو اس نے گھوڑے کی باگ اٹھائی اور جلد ہی شہر میں داخل ہو گیا اور اپنے محل میں جا پہنچا۔

دن بھر کا تھکا ماندہ تو تھا ہی، بستر پر لیٹتے ہی سو گیا۔ اسے خواب میں ایک بزرگ نظر آئے جنھوں نے سبکتگین کو بتایا: ''بارگاہِ خداوندی میں ہَرنی کی دعا قبول ہوگئی ہے، اب تُو اور تیری اولاد ایک طویل مدّت تک غزنی پر حکومت کرے گی۔''

بزرگ یہ خوش خبری سنا کر چلا گیا تو سبکتگین کی آنکھ کھل گئی۔ دن بھر کے واقعات اس کی نظروں کے سامنے آ گئے، جن میں ہَرنی کے بچّے کو آزاد کرنا اور ہَرنی کا کبھی سبکتگین اور کبھی آسمان کی طرف منھ کر کے دیکھنے کا واقعہ بھی شامل تھا۔

پیارے بچو! یہی وہ سبکتگین ہے جس نے اپنے والد الپ تگین کے مرنے کے بعد بڑی شان و شوکت کے ساتھ غزنی پر حکومت کی اور پھر اس کے بعد اس کا بیٹا حکمران بنا جسے دنیا محمود غزنوی کے نام سے جانتی ہے۔ کسی نے سچ کہا ہے کہ:

نیکی کا اجر ضرور ملتا ہے۔

۸ احسان کا بدلہ احسان

اگلے وقتوں کی بات ہے کہ ایک مسافر کسی جنگل میں سے گزر رہا تھا کہ اسے کسی جانور کے کراہنے کی آواز آئی۔ وہ ڈرتے ڈرتے آواز کی طرف گیا۔ کیا دیکھتا ہے کہ ایک شیر ہے جو جُھنڈ کے کنارے پڑا ہے اور تکلیف کے مارے کراہ رہا ہے۔ مسافر نے غور کیا تو دیکھا کہ شیر کے ایک پاؤں میں پہاڑی کیکر کا کانٹا چبھا ہوا ہے جو پاؤں کے آر پار ہو گیا ہے۔ مسافر کے دل میں خیال آیا کہ جو ہو سو ہو شیر کو اس تکلیف سے نجات دلانی چاہیے۔ چناں چہ اس نے ہمّت کی اور ڈرتے ڈرتے شیر کے پاؤں میں سے کانٹا نکال دیا۔ کانٹے کا نکلنا تھا کہ شیر نے مسافر کی جانب شکر گزاری کی نظروں سے دیکھا اور جنگل کی طرف چلا گیا اور جلد ہی جنگل میں غائب ہو گیا۔

اب اس کہانی کا دوسرا حصّہ سنیے۔ ہوا یوں کہ بادشاہ نے ایک آدمی کو اپنا دشمن جان کر یہ سزا سنائی کہ اسے بھوکے شیر کے پنجرے میں ڈال دیا جائے۔ چناں چہ ایسا ہی کیا گیا۔ لیکن یہ کیا، بھوکے شیر نے بجائے اس کے کہ اس شخص کی تکا بوٹی کر کے اسے کھا جائے، اس کے پاؤں چاٹنا شروع کر دیے۔ اردگرد کے لوگ یہ نظّارہ دیکھ کر حیران رہ گئے۔ ہوتے ہوتے یہ خبر بادشاہ تک پہنچی۔ اس نے آ کر بچشمِ خود دیکھا اور جو سنا تھا، اسے سچ پایا۔

بادشاہ نے حکم دیا کہ اس شخص کو رہا کر دیا جائے اور میرے حضور پیش کیا جائے۔ جب معتوب شخص کو بادشاہ کے روبرو پیش کیا گیا تو بادشاہ نے اس سے پوچھا کہ بھوکے شیر نے تمھیں کھانے سے انکار کر دیا ہے اور تمھارے پاؤں چاٹ رہا ہے، اس کی کیا وجہ ہے؟ اس شخص نے بادشاہ کو بتایا:

> ''جہاں پناہ! کچھ عرصہ پہلے میں ایک جنگل سے گزر رہا تھا تو مجھے کسی جانور کے کراہنے کی آواز آئی، جیسے کوئی جانور بہت تکلیف میں ہو۔ میں نے دیکھا تو وہ ایک شیر تھا، جس کے پاؤں میں پہاڑی کیکر کا ایک بہت بڑا کانٹا چبھا تھا اور جو پاؤں میں آر پار ہو گیا تھا۔ میں نے ہمّت کر کے شیر کے پاؤں میں سے کانٹا نکال دیا تو شیر کی آنکھوں میں ممنونیت کے آنسو آ گئے اور وہ درد سے نجات پا کر جنگل میں غائب ہو گیا۔ آج جب مجھے شیر کے پنجرے میں ڈالا گیا تو شیر نے مجھے کھانے سے انکار کر دیا۔ دراصل یہ وہی شیر ہے جس پر میں نے احسان کیا

تھا۔آج شیر نے مجھے احسان کا بدلہ دیا ہے۔''

بادشاہ اس شخص کی داستان سن کر بڑا متاثر ہوا اور اس نے اس شخص کو نہ صرف معاف کر دیا بلکہ اسے اپنا درباری بنالیا۔کسی نے سچ ہی کہا ہے کہ: احسان کا بدلہ احسان ہوتا ہے۔

۹ نادان کی دوستی

پرانے وقتوں کی بات ہے کہ ایک امیر آدمی تھا۔اس کا پیشہ تجارت تھا۔تجارت کرنے میں اس نے بہت دولت کمائی۔وہ تجارت کرنے کی غرض سے سامانِ تجارت لے کر اپنے ملک سے کسی دوسرے ملک کو جایا کرتا تھا۔اسے جانور پالنے کا بہت شوق تھا، چناں چہ اس نے ایک بندر پال رکھا تھا، جس کے ساتھ اسے والہانہ لگاؤ تھا۔بندر بھی اپنے مالک سے بہت محبت کرتا تھا۔

ایک بار یوں ہوا کہ امیر آدمی اپنے سامانِ تجارت کے ساتھ سفر کر رہا تھا۔سفر کرتے کرتے دوپہر ہوگئی اور سورج نے اپنا جلال دکھانا شروع کیا۔تاجر نے ایک گھنے درخت کے نیچے عارضی پڑاؤ ڈالا۔وہ تھکا ہارا تو تھا ہی، اس لیے جلد سو گیا۔بندر نے اپنے مالک کو پنکھا جھلنا شروع کر دیا تا کہ وہ آرام سے سو جائے۔بندر نے دیکھا کہ ایک مکھی ہے جو بار بار مالک کے چہرے پر آ بیٹھتی ہے۔وہ اسے اڑا دیتا مگر بھی پھر آ جاتی ہے۔بندر مکھی کی حرکت سے تنگ آ جاتا ہے۔بندر نے مکھی کو پنکھے کی مدد سے اپنے مالک کے چہرے سے دور رکھنے کی کوشش کی لیکن شاید وہ مکھی بڑی ڈھیٹ تھی، باز نہ آئی۔اس پر بندر کو غصّہ آ گیا۔بندر نے مالک کا خنجر اٹھالیا اور سوچا کہ اگر اس بار مکھی چہرے پر بیٹھی تو وہ اس کو جان سے مار دے گا۔جونہی مکھی آئی اور مالک کے چہرے پر بیٹھی تو بندر نے خنجر سے مکھی پر زور کا وار کیا۔مکھی اڑ گئی مگر یہ کیا، خنجر کے وار سے مالک کی ناک کٹ گی اور وہ لہولہان ہو گیا۔کہتے ہیں کہ مالک نے اسی وقت میان میں سے تلوار نکال لی اور بندر کا سر تن سے جُدا کر دیا۔

نتیجہ: نادان کی دوستی جی کا جنجال ہے۔

۱۰ عادت کی خرابی

کہتے ہیں کہ کسی دریا میں اپنے ہم جنسوں کے ساتھ ایک کچھوا رہتا تھا۔وہ بالعموم پانی میں ہی رہتا مگر کبھی کبھی گھاس پھوس یا جڑی بوٹیاں کھانے کی غرض سے دریا کے کنارے آ نکلتا۔اس دریا کے کنارے ایک بچھو بھی رہتا تھا۔ایک دن کچھوا دریا سے باہر نکلا ہوا تھا۔بچھو نے اسے دیکھا تو کچھوے کے نزدیک آیا اور اس سے باتیں کرنے لگا۔کچھ ہی دیر بعد دونوں کی دوستی ہوگئی۔بچھو کہنے لگا، یار! ہمیں بھی دریا کی سیر کراؤ۔کچھوے نے ہامی بھر لی اور کہنے لگا تم میری پیٹھ پر سوار ہو جاؤ، میں پانی میں اتر جاؤں گا۔پروگرام کے مطابق بچھو کچھوے کی پیٹھ پر سوار ہو گیا اور کچھوا دریا کی سطح پر تیرنے لگا۔کچھ دیر بعد کچھوے کو کھٹ کھٹ کی آواز سنائی دی۔کچھوے نے بچھو سے پوچھا یہ آواز کیسی ہے؟ کچھو نے جواب دیا کہ میرے ڈنک کی آواز ہے۔میں تمھاری پیٹھ پر ڈنک مار رہا ہوں۔کچھوے نے پوچھا میں تمھیں دریا کی سیر کرا رہا ہوں اور تم میری پیٹھ پر ڈنک مار رہے ہو، یہ کیا معاملہ ہے؟ بچھو کہنے لگا، یہ میری عادت ہے، میں ڈنک

مارے بغیر نہیں رہتا۔ اسی لمحے کچھوے نے دریا میں غوطہ لگایا تو بچھو پانی میں گر گیا اور لگا ڈوبنے۔ بچھو نے پوچھا یہ تم نے کیا کیا؟
کچھوے نے کہا، یہ میری عادت ہے۔ اس طرح بچھو پانی میں بہ گیا۔ کسی نے سچ ہی کہا ہے کہ فطرت تبدیل نہیں ہوتی۔
نتیجہ: فطرت کبھی تبدیل نہیں ہوتی۔

۱۱ نااتفاقی کا انجام

پرانے زمانے کا ذکر ہے کہ ایک کسان کے پاس بڑے بڑے سینگوں والے دو بیل تھے۔ کسان بیلوں سے خوب کام لیتا مگر انھیں پیٹ بھر کر کھانے کو نہ دیتا۔ بیل کافی کمزور ہو گئے اور ان کی پسلیاں نظر آنے لگیں۔ ایک دن جب دونوں بیل کھونٹوں سے بندھے ہوئے تھے۔ ایک دوسرے سے کہنے لگا۔ یہ کسان ہماری جان لے کر چھوڑے گا۔ بہتر ہے کہ ہم یہاں سے بھاگ چلیں، شاید اس طرح ہماری جان بچ جائے۔ جب دونوں بیلوں نے بھاگنے کا پختہ ارادہ کر لیا تو ایک بیل نے اپنے دانتوں سے دوسرے کی رسیاں چبا ڈالیں اور دوسرے بیل نے پہلے کی۔ اس طرح دونوں بیل آزاد ہو گئے اور پَو پھٹنے سے پہلے ہی کسان کے ڈیرے سے بھاگ کھڑے ہوئے اور قریبی جنگل کی راہ لی۔

وہ جس جنگل میں پہنچے وہ بڑا سرسبز و شاداب تھا۔ دونوں بیلوں کو کھلی فضا راس آ گئی۔ کچھ ہی دنوں میں دونوں بیل موٹے تازے ہو گئے۔ ان دونوں میں بڑا اتفاق تھا۔ دونوں ہمیشہ ایک دوسرے کے قریب چرتے اور کبھی کوئی افتاد پڑتی تو اس کا مقابلہ باہمی اتفاق سے کرتے اور بڑے چین سے رہتے۔

ایک دن ایک شیر ادھر آ نکلا۔ اس نے دو موٹے تازے بیل دیکھے تو شکار کرنے کی غرض سے ایک بیل پر حملہ آور ہوا۔ جونہی دوسرے بیل نے دیکھا تو اس نے شیر کو اپنے سینگوں پر لے لیا۔ شیر اس حملے کی تاب نہ لا یا اور زخمی ہو کر اپنی جان بچانے کو بھاگ کھڑا ہوا۔ اس طرح شیر نے کئی کئی دنوں کے وقفے سے ایک بیل کو شکار کرنا چاہا مگر وہ جب بھی کسی ایک بیل پر حملہ کرتا تو دوسرا بیل اسے سینگ مارتا چناں چہ وہ ہر بار ناکام رہا۔

اسی جنگل میں ایک لومڑی بھی رہتی تھی۔ اس نے یہ ماجرا دیکھا تو ایک دن موقع پا کر شیر سے کہنے لگی: ''آپ میری مدد کے بغیر بیلوں کا شکار نہیں کر سکتے۔ اگر آپ میرا حصّہ دینے کا وعدہ کریں تو میں ان کا شکار کروا سکتی ہوں۔'' شیر نے ہامی بھر لی۔ شیر سے رخصت ہو کر لومڑی ایک بیل کے پاس گئی اور دوسرے بیل کے خلاف اس کے کان بھرے۔ پھر وہ دوسرے بیل کے پاس گئی اور پہلے بیل کے خلاف اس کے کان بھرے۔ اس طرح لومڑی نے دونوں بیلوں میں بدگمانی پیدا کر دی۔ اس کام سے فارغ ہو کر لومڑی شیر کے پاس گئی اور اسے خوشی خوشی بتایا کہ اس نے دونوں بیلوں میں نااتفاقی پیدا کر دی ہے۔ اب وہ ایک دوسرے کی مدد ہرگز نہ کریں گے۔ آپ آسانی سے انھیں اپنا شکار بنا سکتے ہیں۔ چناں چہ شیر نے ایسا ہی کیا۔ شیر ایک بیل کو شکار کر کے ہڑپ کر گیا اور چند روز کے بعد دوسرا بیل بھی بڑی آسانی سے شیر کا شکار بن گیا۔ اسی طرح دونوں بیلوں نے نااتفاقی سے اپنی جان گنوائی۔
نتیجہ: نااتفاقی کا انجام بُرا ہوتا ہے۔

۱۲ عقل مند بیوی

آج سے ڈیڑھ دوسو سال پہلے کا ذکر ہے کہ دلّی شہر میں ایک بُڑھیا رہتی تھی۔ دراصل وہ کُٹنی تھی اور اپنے آپ کو جوگن ظاہر کرتی تھی اور سادہ لوح عورتوں کو لوٹنے کے لیے نت نئے حربے اپناتی تھی۔ ایک دن شدید گرمی پڑ رہی تھی۔ بڑھیا لاٹھی ٹیکتی بھرے بازار میں جا نکلی اور ایک بزاز کی دکان پر بیٹھ گئی۔ دکاندار نے ہانپتی بڑھیا کو پانی پلایا اور گاہکوں کو کپڑا دکھانے میں مصروف ہو گیا۔ بڑھیا بھی بیٹھی رہی اور بزاز اور گاہکوں کی گفت گو سنتی رہی۔ جب گاہک چلے گئے تو بزاز نے اپنے نوعمر ملازم سے کہا کہ یہ لو برقع، اسے گھر میں دے دینا اور کہنا کہ بڑے صندوق میں کپڑے کا ایک تھان رکھا ہے، وہ نکال کر دے دیں ایک گاہک کو دینا ہے۔

ملازم نے برقع لیا اور دکان سے گھر کی طرف چل دیا۔ بڑھیا بھی اٹھی اور ملازم کے پیچھے پیچھے چل پڑی۔ اس نے ملازم کو آواز دے کر ٹھہرایا اور باتوں باتوں میں بزاز کے گھر کا پتا دریافت کر لیا۔ اچانک بڑھیا کو ایک چال سوجھی۔ ملازم سے بولی، میرے اچھے بیٹے! میں تمھاری دکان پر اپنا پاندان بھول آئی ہوں، جس میں میری نقدی کی پوٹلی بھی ہے۔ ذرا دوڑ کر جائیو، ایسا نہ ہو کہ کوئی اور لے جائے۔ یہ برقع مجھے پکڑا دو اور دیکھو جلدی آنا میں یہیں کھڑی تمھارا انتظار کرتی ہوں۔ بے چارہ ملازم بڑھیا کی باتوں میں آ گیا۔ اس نے برقع بڑھیا کو تھما دیا اور دکان کی طرف چل دیا۔ بڑھیا نے موقع غنیمت جانا۔ وہ تیز تیز قدم اٹھاتی بزاز کے گھر پہنچی۔ دروازہ کھٹکھٹایا۔ بزاز کی بیوی نے دروازہ کھولا اور پوچھا: بڑی بی! کیا بات ہے؟

بڑھیا نے کہا: یہ لو برقع! تمھارے شوہر نے بھیجا ہے اور کہا ہے کہ جلدی سے بڑے صندوق میں سے کپڑے کا تھان نکال کر دے دو، گاہک دکان پر بیٹھا انتظار کر رہا ہے۔

بزاز کی بیوی نے برقع لے لیا اور کہا: تُو جانے کون ہے، میں تجھے تھان نہیں دوں گی۔ بڑھیا نے بہتیرا کہا: میں سیدھی دکان سے آ رہی ہوں۔ ملازم مصروف تھا اس لیے مجھے ہی آنا پڑا، مگر بزاز کی عورت ٹَس سے مَس نہ ہوئی اور کسی صورت بھی تھان دینے پر رضامند نہ ہوئی بلکہ جب بڑھیا نے برقع واپس مانگا تو وہ بھی واپس دینے سے انکار کر دیا۔

بڑھیا نے سوچا کہ یہ عورت میرے فریب میں نہیں آئے گی۔ اگر ملازم پہنچ گیا تو اس کے فریب کا پردہ چاک ہو جائے گا اور اسے پولیس کے حوالے ہونا پڑے گا، چناں چہ چپکے سے رفو چکر ہو گئی اور بزاز کی عقل مند بیوی لٹنے سے بچ گئی۔ کسی نے سچ ہی کہا ہے: پاک رہو، بے باک رہو۔